نہیں ہوں۔ مجھ کو یقین ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ ایشیا کی تمام قومیں آزاد ہوں گی اور اُس وقت عرب بھی اپنی عظمت رفتہ واپس لینے کے لئے متحد و متفق ہو کر بحیثیت ایک قوم کے اُبھریں گے اور اُن کی قیادت مصر کرے گا۔ میں نے پوچھا کہ مصر تو مغربیت میں سب سے زیادہ ڈوبا ہوا ہے" فرمایا "مصر کا ذہن بیدار ہے۔ اُن کو اسلام سے سچی محبت ہے۔ علوم جدیدہ میں وہ سب عربوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ اور پھر جسمانی لحاظ سے بھی وہ سب سے زیادہ مضبوط اور تندرست ہیں۔ اس بنا پر قیادت کی صلاحیت سب سے زیادہ انھیں میں ہے رہی اُن کی مغربیت تو میں اس سے نہیں گھبراتا۔ اگر ذہن مسلمان ہو تو یہی مغربیت اپنی انتہا کو پہنچ کر اور زیادہ پختگی ایمان کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ خود میرا حال یہ ہے کہ یورپ میں رہ کر اسلام پر میرا عقیدہ جتنا پختہ ہوا پہلے ایسا نہیں تھا، آج یہ واقعہ یاد آتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ ترجمانِ حقیقت کی چشم بصیرت نے اب سے تیس سال قبل کس طرح ان واقعات کو دیکھ لیا تھا جو آج پیش آرہے ہیں۔

اسلام کے اعلیٰ ترین نظامِ زندگی ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ لیکن بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ کوئی حکومت ایسی قایم نہیں ہے جو اس نظامِ حیات کا عملی نمونہ پیش کرتی ہو۔ اس بنا پر اسلام صرف ایک فلسفہ ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں وہ جذب و کشش باقی نہیں رہی جو اپنوں اور غیروں کو پوری قوت کے ساتھ متاثر کر سکے۔ اکبر الٰہ آبادی کے بقول

نہ ہو مذہب میں گر زورِ حکومت   تو وہ مذہب نہیں اک فلسفہ ہے

صرف یہی ایک جذبہ تھا جس کی وجہ سے بہت سے قوم پرور مسلمان زعما اور علما بھی جو اپنے وطن سے محبت بھی رکھتے تھے اور جن کو برادرانِ وطن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی عناد بھی نہیں تھا قیام پاکستان کے حامی ہو گئے تھے، لیکن آج اس ملک کے اربابِ اقتدار کے ہاتھوں اس جذبہ کو جس مایوسی سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ ان حالات میں مشرقِ وسطیٰ کی طرف سے امید کی ایک کرن پھوٹی ہے۔ کیا عجب ہے کہ کل جو قوم قرآن کی اولین مخاطب اور اسلام کی اولین حامل و مبلغ تھی۔ تاریخ کے اس دورِ انقلاب میں پھر وہ اپنے اُس دیرینہ فریضہ و منصب کو ادا کرنے کے لائق بنے

کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

گذشتہ ماہ کی روداد سفر حیدرآباد میں ایک بڑی فروگذاشت یہ رہ گئی کہ حیدرآباد کے اخبارات کا شکریہ ادا کرنا بھول گیا جو میرے ورود حیدرآباد کی خبر اور مجھ سے متعلق دوسری خبریں بھی روزانہ شائع کرتے رہے اس سلسلہ میں، جناب مولوی منیر احمد صاحب صدیقی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے آمد کی خبر کے ساتھ ساتھ ایک تعارفی نوٹ بھی لکھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حیدرآباد کے اسٹیشن پر کافی حضرات تشریف لائے تھے لیکن جب میں لاعلمی کی وجہ سے سکندرآباد سٹیشن پر ہی اُتر کر وہاں سے سیدھا[۲]

[۲] یونیورسٹی چلا گیا تو ان حضرات کو مایوسی ہوئی میں ان حضرات سے بھی معذرت خواہ ہوں اور ارباب جرائد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔